سلسلہ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۳۱۰

فلسفۂ شہادت

از

مولانا عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی

مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

اعظم گڈھ

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

محصول ڈاک ۸ نئے پیسے

قیمت ۱۳ نئے پیسے

تعارف

محترمی عالی جناب مولانا عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کا ایک مضمون "فلسفۂ شہادت" کے عنوان سے رسالہ شمع لکھنؤ کے محرم نمبر ۱۳۷۸ھ میں شایع ہوا تھا۔ ہم اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو اپنے حسینی لٹریچر کا جزو بنا کر بصورت رسالہ شایع کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ افراد ملت اس رسالہ کی بھی کثیر تعداد برادران اسلام میں مفت تقسیم فرما کر رضائے الہی کا شرف حاصل فرمائیں گے۔

خادم ملت
سید ابن حسین نقوی عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

فلسفہ شہادت

(۱)

فرض کرو کہ ایک دانش مند آدمی کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کے لئے حکیم نے دارو ئے تند و تلخ تجویز کی۔ دوا کی تلخی سے مریض کا دم گھٹتا ہے اور وہ دوا کا پیالہ بار بار لبوں تک لیجا کر اضطراراً ہٹا لیتا ہے اور ایک دفعہ نفرت سے دوائی کی طرف سے منہ بھی پھیر لیتا ہے لیکن اسے دوا پلانے کے لیے کسی سختی کی ضرورت نہیں ہوشیار مریض کے سامنے صرف مرض کی ہلاکت خیزی اور دوا کی تاثیر نیز اس کے فوائد بیان کر دینے کافی ہیں اور وہ دوا پینے لگے گا۔

دوسرا مریض ایک ضدی بچہ ہے جو میٹھی سے میٹھی دوا کو بھی اپنی ضد سے پینا نہیں چاہتا لیکن وہی دوا کا پیالہ لے کر جب اس کی ماں سامنے آتی ہے اور چمکار کر پیار بھرے انداز میں دوا کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیتی ہے تو وہ چپ چاپ دوا پینے لگتا ہے کیونکہ اسے ماں سے بے حد محبت ہے اور وہ اس کی بات ٹال نہیں سکتا۔

لیکن اگر کوئی شریر بچّہ ہو جسے ماں کی محبت بھی رام نہ کرسکے تو اس کے لئے باپ کی تہدید آمیز نگاہیں اور تادیب بھرا ہاتھ ہی چاہیے، تاکہ وہ دوا پی لے اور مرض کی ہلاکت سے نجات پائے۔

اب فرض کرو کہ ایک ایسا آدمی ہو جسے نہ تو ماں کی محبت درست کرسکی، نہ باپ کی تادیب سدھار سکی نہ ہی کسی خیرخواہ کی افہام و تفہیم ہی سے وہ دوا کا پیالہ لبوں سے لگا سکا تو اس کے لیے ایک آخری اور نفسیاتی علاج درکار ہوگا۔ مریض بار بار دوا کا پیالہ جھٹکتا ہے اور تیمار دار بار بار دوا پلانا چاہتا ہے اس جد و جہد میں بیمار ہاتھ پیر بھی چلانے لگتا ہے جس سے تیمار دار کو سخت چوٹ آتی ہے۔ لیکن تیمار دار دھن کا پکا اپنے زخموں سے بے نیاز دوا کا پیالہ ہاتھ میں لئے مریض کے ہونٹوں سے لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تب تیمار دار کا خون آلود چہرہ دیکھ کر مریض کی انکاری قوت ارادی ختم ہو جاتی ہے اور وہ قوت مدافعت کے باوجود دوا پینے لگتا ہے۔

(۳)

انسانی سوسائٹی کا مزاج بھی کچھ انھیں عناصر سے ترکیب پاتا ہے اس میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھیں روحانی اور

اخلاقی عوارض سے نجات دلانے کے لئے صرف افہام و تفہیم ہی کافی ہوتی ہے اور ان کے سامنے راہ حق واضح ہوجاتی ہے اور کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کی نیک قوتوں کو ابھارنے کے لئے افہام و تفہیم کے ساتھ ساتھ محبت کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے اور کتنے شریر انسانوں کو راہ ہدایت پر قائم رکھنے کے لئے تلوار بھی ہاتھ میں لی جاتی ہے اور کتنوں کا غرور توڑنے کے لئے آخری اور سب سے موثر نفسیاتی علاج جان کی قربانی بھی ناگزیر ہوجاتی ہے۔

اسی لئے ہادیان مذاہب کا قافلہ رشد و ہدایت کبھی افہام و تفہیم کی شاہراہ سے چلکر طاقت و محبت کا سہارا لیتا ہوا جان نثاری کی منزل مقصود پر پہونچتا ہے تب مخاطب پر اتنا گہرا "نفسیاتی اثر" ہوتا ہے کہ مخالف صفوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر حق کے ساتھ آملتے اور سفاک قوم کو یہ اندوہناک احساس ہوتا ہے کہ حق کی راہ میں جان دینے والوں کی شکست نہ ہوئی بلکہ در اصل ہم ہی ہار گئے ہیں۔

اور یہی "جان کی قربانی ہے" جسے اسلام اس کی بے پناہ طاقت اور لازوال تاثیری قوت کی بناء پر "شہادت" کے مبارک نام سے یاد کرتا ہے اور یہی شہادت ہی جو ہر سچے مسلمان کی تمناؤں کی جنت اور ہماری آرزو ہے جس کی سچی تڑپ ہی ہر مسلمان کو

سہارا دیتا ہے اور جس کا ساغر لالہ رنگ ہر مومن "آبحیات" کی سی خوشگواری کے ساتھ پیتا ہے۔

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہیں ملجائے جنھیں دولت شہادت کی

شہادت پاتے ہی ہستی زندہ جاوید ہوتی ہے
یہ رنگیں شام صبح عید کی تمہید ہوتی ہے

بس شہادت دراصل تبلیغ و ہدایت کے "ایک نفسیاتی طریقے" کا نام ہے۔ جس میں آدمی ایک سچے نصب العین کو دوسرے سے منوانے کے لئے اپنے خون کے قطروں سے آخری "مہر تصدیق" ثبت کرتا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ مخالف طاقتوں کا زور گھٹ جاتا ہے بلکہ تحریک میں بھی نئے سرے سے جان آجاتی ہے اور عرصہ دراز تک کے لیے باطل کی دسیسہ کاریوں سے حق مامون و محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بظاہر یہ بات الٹی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص جو کسی نصب العین کی حمایت میں جان دیتا ہے اس میں یہ قوت کہاں سے آجاتی ہے جو مخالف فوجوں کی تلواریں کند کر دیتی ہے

نیزوں کی انیاں موڑ دیتی اور تیروں کے پھل توڑ دیتا ہے
اور سخت سے سخت دشمن کو بھی حق کی حمایت پر آمادہ کر دیتا ہے
لیکن اک ذرا غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شہید
کے لہو کی بوند تلوار کو کند نہیں کرتی، اس ہاتھ ہی کو شل کر دیتی
ہے جو تلوار کو حرکت دیتا ہے۔ نیزہ کی انیاں تو برقرار رہتی
ہیں لیکن اس دل کا حوصلہ ہی ٹوٹ جاتا ہے جو نیزہ چلانے
پر آمادہ کرتا ہے۔ تیر تو صحیح و سالم رہتے ہیں لیکن تیر چلانے
والا ایک بار یہ غور کرنے پر ضرور مجبور ہو جاتا ہے کہ مرنے والے
کے لب پہ آخری وقت بھی "فاتحانہ مسکراہٹ" آخر کیوں تھی
کیا واقعی اس نصب العین میں اتنا دم ہے کہ انسان پر موت
کی تلخی اتنی خوشگوار ہو جاتی ہے ؎

جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

یا بالفاظ دیگر تبلیغ کے دوسرے ذرائع مخاطب کے دماغ
کو اپیل کرتے ہیں تو شہید کا لہو براہ راست قاتل کے دل کو
جھنجھوڑ ڈالتا ہے اور اس کے نفسیات میں ایک طوفان انقلاب
برپا کر دیتا ہے ورنہ مسلمان کا خون (جو خدا کی بارگاہ میں سارے
عالم کی قیمت سے بھی بھاری ہے) یوں بہانے کا حکم خود خدا
نہ فرماتا۔ ہاں جب اس کی کمند براہ راست دل پر پڑتی ہے (جو
سارے عالم میں عرش الٰہی اور بیت الرحمن ہونے کی صلاحیت

دکھاتا ہے، تو اس قطرہ خون کی پوری قیمت مل جاتی ہے اور
خون شہیداں کی یہی نفسیاتی اثر انگیزی ہے جو شاعروں کی
زبان میں "حسن عالمگیر و رعنائی دلنواز بن جاتی ہے۔

مسلمانوں کے خوں میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
شہادت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

(۳)

مسافر کربلا شہید محرم امام مظلوم کا ایک تو وہ مادی سفر تھا جو مدینہ کی جان نواز گلیوں سے شروع ہو کر فرات کے کنارے آپ کے تشنہ کام قتل پر بظاہر ناکامی کے ساتھ ختم ہوا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے جلو میں تبلیغ و ہدایت کا ایک مبارک و مسعود کارواں تو بھی تھا جو باطل کے خلاف آپ کی افہام و تفہیم سے شروع ہو کر فرات کے کنارے آپ کی شہادت عظمی پر ختم ہوا۔ اور کامیاب ختم ہوا۔

چنانچہ جب آپ نے مقام بیضہ پر اپنا تاریخی خطبہ دیا کہ:-

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہد الہی کو شکست کرتا ہے سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا کے بندوں پر گناہ و سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی تو اپنے فعل سے

الٰہی کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے تو خدا
ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہ دے گا دیکھو یہ لوگ
شیطان کے پیرو بن گئے، رحمٰن سے سرکش ہوئے
فساد ظاہر ہے۔ حدود الٰہی معطل ہیں۔ مال غنیمت پر
ناجائز قبضہ ہے ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل
دینے کا میں حق دار ہوں۔"

یا ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا۔

"افسوس دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا۔ باطل
پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے لیکن کوئی ہے جو اس کا ہاتھ
پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی
کی خواہش کرے لیکن میں شہادت کی موت چاہتا
ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"

تو ان خطبات میں آپ اس وقت کے سب سے بڑے مجرم یزید
اور عظیم گناہ "شہنشاہیت" کے خلاف حق کو واضح "تفہیم" کے ذریعے
مخاطبین کو منوانے کی جد و جہد فرما رہے تھے اور رشد و ہدایت
کے سلسلے میں لوگوں کے دماغ کو اپیل کر رہے تھے۔

اور جب آپ نے میدان جنگ میں دشمن کی صفوں کے
سامنے دل ہلا دینے والا یہ خطبہ پڑھا کہ:-

"لوگو! میرا حسب و نسب یاد کرو، سوچو کہ میں کون ہوں۔

پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا سید الشہدا حمزہ میرے باپ کے چچا نہ تھے کیا ذو الجناحین جعفر طیار میرے چچا نہ تھے کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں سید شباب اھل الجنہ اگر میرا یہ بیان سچا ہے تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے تمہیں یاد نہ ہو تو جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم، مالک بن انس سے پوچھو وہ میری تصدیق کریں گے کیا یہ بات بھی میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی۔ واللہ اسوقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی بیٹی کا لڑکا موجود نہیں ؛

تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت کا سہارا لیکر مخالفین کے دل کو حق کی طرف متوجہ کرنا چاہا اور ایک ایک مقتدر اسلامی ہستیوں کا نام لیکر محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو اکسانا چاہا۔ یونہی خداوند قدوس کے قہر و غضب اور غیر متناہی طاقت سے ایک ایک کو ڈرایا، لیکن تبلیغ کی ان تمام درمیانی راہوں سے کماحقہ فائدہ نہ ہوسکا۔ کبھی تو آپ کو

موت کی دھمکی دی جاتی۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالے کردو۔ حد ہوگئی پانی روک لیا گیا ایک ایک دانہ پر کڑا پہرہ لگا دیا گیا اور ازلی بدبخت تلواریں سونت سونت کر آگے بڑھنے لگے۔ لیکن شہادت کی تمہید شروع ہی ہوئی تھی کہ کایا پلٹنا شروع ہوگئی۔ چنانچہ جب آپ نے اتمام حجت کر لیا تو اونٹنی کو بٹھا کر اس کی کونچیں بند ھوادیں اور شامی افواج کی سرکش آندھی اور کڑکتی بجلیوں کے سامنے آپ ایک شانِ جان نثاری اور استغنار کے ساتھ کھڑے ہوگئے تو حر بن یزید گھوڑے کو ایڑ لگا کر دشمن کی فوج سے نکلا اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہونچکر کہا، یا ابن رسول اللہ میں وہی بدبخت انسان ہوں جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا اور راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ میں اپنے قصور پر نادم ہوں اور یہ دیکھ کر کہ لوگ آپ کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں، توبہ کے لئے آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قربان ہونا چاہتا ہوں کیا آپ کے خیال میں میری توبہ کے لئے یہ کافی ہے۔ آپ نے شفقت سے فرمایا۔ خدا تیری توبہ قبول فرمائے اور تو حر ہے، جیسا تیری ماں نے تجھے آزاد جنا۔ چنانچہ دنیا نے بھی یہ نظارہ دیکھا کہ امام عالی مقام پہ جان نچھاور کرنیوالوں کی پہلی صف میں حر کا ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا جسم بھی تڑپ رہا ہے

اور آپ کی "شہادت عظمیٰ" کی تکمیل ہوتے ہوتے تو ایک "طوفان انقلاب" اٹھ کھڑا ہوا۔ زمین خون کے آنسو روئی آسمان سے آگ برسی اور کل تک جو امام کی بات سننے کیلئے روادار نہ تھے بلکہ آپ کے خلاف شامیوں کی طرف سے تلوار کھینچکر آتے تھے، انھیں میں یزید کے ظالمانہ تسلط کے خلاف بغاوت کے شعلے اٹھنے لگے۔ مدینہ میں سارے انسانوں میں آگ لگ گئی۔ مکہ میں میدان جنگ قائم ہو گیا۔ اور کوفہ میں ایک ایک یزیدی تلاش کر کے قتل کیا گیا اور تھوڑا زمانہ بھی نہ گذر نے پایا تھا کہ ابن زیاد کا سر کوفہ کی دارالامارت میں مختار ثقفی کے سامنے رکھا تھا۔ اور بعد میں آنے والوں نے بنو امیہ کی ہڈیاں قبروں سے نکلوا کر پامال کیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ آپ کی شہادت نے وہ کام کیا جو افہام و تفہیم، طاقت و محبت کے مظاہرے سے نہ ہوا تھا جب تک کہ آپ سمجھاتے رہے۔ یزید کی ناجائز حکومت" اور اس کی برائیاں لوگ نہ سمجھ سکے۔ لیکن جیسے ہی آپ شہید ہوئے سب کی سمجھ میں آگیا۔

اس سے شہادت کی اہمیت اور اس کی عالی مقامی کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن نے

شہداء کو ایک امتیازی درجہ دیا ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی	شہیدانِ ملت کو مردہ مت کہو وہ
سبیل اللہ اموات بل	مر کر زندۂ جاوید ہوگئے یہ اور بات
احیاء و لکن لا تشعرون"	ہے کہ تم نہ سمجھ سکو۔

اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کی

والذی نفسی بیدہ	خالق کائنات کی قسم میری تمنا
لوددت ان اقتل	تو یہ ہے کہ راہ خدا میں بار بار
فی سبیل اللہ ثم احیی	مارا جاؤں اور ہر بار مجھے زندگی
ثم اقتل ثم احیی ثم	ملے اور پھر مجھے شہید کیا
اقتل ثم احیی ثم اقتل	جاؤں۔

ہزار جان فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خون تپم و گوئی از برائے منست

پبلشر

مرزا حیدر حسین اسسٹنٹ سکریٹری امامیہ مشن

نخاس۔ لکھنؤ (انڈیا)

واقعۂ کربلا پر اُردو رسائل

نمبر شمار	نمبر رسالہ	اسمائے رسائل	قیمت	خرچہ ڈاک
۱	۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب (ص)	۳۷ء	۱۴ء
۲	۷	حسینؑ اور اسلام (ص)	۲۵ء	۸ء
۳	۳۷	محاربۂ کربلا (ص)	۱۹ء	۸ء
۴	۴۰	اثبات عزاداری	۳۷ء	۸ء
۵	۴۷	ذوالجناح (ص)	۱۳ء	۸ء
۶	۴۸	شہدائے کربلاؑ حصہ اول (ص)	ع/	۱۶ء
۷	۵۵	" " دوم (ص)	۴۴/	۱۶ء
۸	۶۳	" " سوم (ص)	۳۷ء	۱۶ء
۹	۵۷	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام (ص)	۲۵ء	۸ء
۱۰	۷۰	اسیری اہل حرمؑ (ص)	۱۹ء	۸ء
۱۱	۷۵	مظلوم کربلاؑ (ص)	۱۹ء	۸ء
۱۲	۱۱۲	عزائے حسینؑ پر تاریخی تبصرہ (ص)	۸۷ء	۱۶ء
۱۳	۱۱۷	سامان عزا (ص)	۱۳ء	۸ء
۱۴	۱۴۰	شجاعت کے مثالی کارنامے (ص)	۲۵ء	۸ء
۱۵	۱۵۵	حملۂ کربلاؑ	۱۳	